New Era Magazine
دھڑکنیں
نیو ایرا اسپیشل
NEW ERA MAGAZINE
ازقلم زمر الٰہی
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ویب اسپیشل ناول)

دھڑکنیں

از قلم زمر الٰہی

(قسط_1,2)

زمر الٰہی نے یہ ناول (دھڑکنیں) صرف اور صرف نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول (دھڑکنیں) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے، ڈائجسٹ، سوشل میڈیا، ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیو ایرا میگزین

****

Copyright by New Era Magazine

"سینٹرل لندن، شام کے سات بجے اور مئی کے مہینے میں ہلکی چلتی ہوا۔

آج ہفتے کا روز تھا۔اور کیونکہ کل کا دن سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں چھٹی تھی۔تو آج لندن کی سڑکوں پہ دیر تک منچلے مستی کرنے والے تھے۔شہر سات بجے ہی مصنوعی رنگین روشنیوں سے جگمگانے لگا تھا۔اور نوجوان جوڑے ابھی سے سڑکوں پہ بازو میں بازو ڈالے چلتے نظر آرہے تھے۔کچھ سیاح بھی تھے جو ٹولیوں کی صورت سڑکوں کنارے چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ع

یہ منظر سینٹرل لندن میں کامران خان کے گھر کا تھا۔جس کے مہمان خانے میں نفوس کے ہوتے ہوئے بھی گہری خاموشی تھی۔کامران صاجب ساٹھ سے اوپر ڈریس پینٹ اور ڈریس گریلو شرٹ میں۔دبلے، بارعب سے شخص تھے۔۔۔سنجیدگی اور سختی ان کے چہرے سے جھلکتی تھی۔جبکہ ان کے ساتھ بیٹھی ان کی بیوی سمبل چالیس سے اوپر تھیں۔شوخ رنگ شلوار قمیض میں کندھوں پہ دوپٹا ڈالے وہ ناک اٹھائے بیٹھی تھیں۔ان کی شخصیت ان کے چہرے سے مختلف تھی۔وہ جزباتی اور خاصی تیز خاتون تھیں۔

ان کے سامنے ٹانگ پہ ٹانگ ڈالے بڑے کروفر سے نگارش بیٹھی تھیں۔جو کامران صاحب ہی کی طرح ساٹھ سے اوپر تھیں۔مگر ان کے چہرے سے ان کی عمر کا اندازہ لگانا

Copyright by New Era Magazine

مشکل تھا۔ان کے دائیں ہاتھ میں تین سفید اور سرخ ایک ہی شکل کی ہیرے کی انگوٹھیاں تھیں۔جبکہ انگوٹھیوں سا ہی ہار ان کے فارمل سیاہ سوٹ کے گلے سے جھلک رہا تھا۔

ان کے چمکدار گولڈن بال کندھوں سے اوپر کٹے آتے تھے۔چہرے پہ ہلکا سا نفیس میک اپ اور ہلکے رنگ لپسٹک لگے ہونٹوں پہ جاندار مسکراہٹ تھی۔جبکہ بھوری آنکھوں میں سرد سا تاثر جھلک رہا تھا۔وہ اپنے حولئے کے عین مطابق بزنس ومن تھیں۔جنھوں نے جب بزنس چلانا شروع کیا تھا تو ان کے اپنے اور پرائے سبھی نے ان کا مزاق اڑایا تھا۔مگر وہ اڑی رہی تھیں۔ہار نہیں مانی تھی۔ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی تھیں۔جس کی وجہ سے آج سکندر گروپ ایک امپائر کا نام تھا۔وہ بڑی سے بڑی سامان اٹھانے والی مشینو سے لے کر کپڑے سینے والی سوئی تک بنا کر دنیا بھر میں کاروبار کر رہے تھے۔جس کی سربراہی کئی سالوں سے وہ کر رہی تھیں۔

کمرے کی خاموشی مذید طویل ہونے لگی تو نگارش نے گلا کنکھار کر بات کا آغاز کیا تھا۔جبکہ سیکٹری جو کہ پیچھے کھڑا اس خاموشی میں کسی کے بھی بولنے کا منتظر تھا۔جب میڈم نگارش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے جا کہا تھا۔وہ سر جھکا کر ہاتھ باندھے باہر نکل گیا۔

Copyright by New Era Magazine

"تمہاری بیٹیاں نظر نہیں آ رہیں؟" گو کہ انہیں ان کی ایک بیٹی کے علاوہ باقی کسی میں دلچسپی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی پوچھ لیا۔ کہ بہر حال مطلب کی بات کرنے کے بھی کچھ ادب و آداب ہوتے ہیں۔ چاہے بات حق اور سچ ہی کی کیوں نا ہو۔

"میں چاہوں گا کہ تم اپنے مقصد کی بات کر کے یہاں سے چلی جاؤ۔ میں اپنے گھر میں تمہارا وجود زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا۔" ان کے سوال کو نظر انداز کرتے کامران صاحب سختی سے بولے تو نگارش مسکرا دیں تھیں۔

"کچھ لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ ہمیشہ ویسے ہی رہتے ہیں۔"

"کیونکہ خاندانی لوگوں کو شان و شوکت مانگے گئے پیسوں یا رتبے سے بنانی نہیں پڑتی۔ جس کے رنگ کھوٹے ہوں۔ ان کو آن بان اور شان سب میراث میں ملتا ہے۔۔۔۔ خیر تم یہ بات نہیں سمجھو گی۔"

"جس نے کبھی یہ سب دیکھا نا ہی نہیں وہ کیسے سمجھے گی۔" سمبل نے تڑخ کر ان کی بات کا جواب دیا تھا۔ جبکہ ان کے جواب پہ نگارش کی مسکراہٹ میں رائی برابر کمی نہیں آئی تھی۔ وہ مسلسل مسکراتی رہیں۔

"ٹھیک کہا تم نے۔۔۔۔"

Copyright by New Era Magazine

"لیکن۔۔۔میں یہاں تم لوگوں کا خاندانی حسب نسب دیکھنے یا سننے نہیں آئی۔میں یہاں اپنی ایک امانت لینے آئی ہوں۔لہجے کو متواتر ہموار رکھتے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر وسط میں پڑی میز پہ دھرپرس سے ایک لفافہ برامد کیااور سامنے بیٹھے کامران صاحب کی جانب بڑھادیا تھا۔

مجھے یقین ہے۔آپ لوگ اس بات سے آگاہ ہوں۔کہ سدرہ نے کبھی ذکر تو کیا ہی ہو گا۔اورا گر نہیں بھی کیا تھا۔تو بھی یقیناً ابھی دیر نہیں ہوئی۔ مسکراتے واپس گھٹنے پہ ہاتھوں کو رکھتے اُنہوں نے ان دونو کو الجھادیا تھا۔کامران صاحب نے تیزی سے لفافہ کھولا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساتھ بیٹھی سدرہ بھی متوجہ تھیں۔

لفافہ کھولتے ہی دونوں کے چہروں کا رنگ اڑا تھا۔

کامران صاحب حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات لئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ سب کیا بکواس ہے؟"وہ دھاڑے تو نگارش مسکرادیں۔

"تو اس نے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنی بیٹی کا رشتہ کرنے سے پہلے آپ کو بتا ہی دیتی۔کیا کچھ کرتے رہے ہیں آپ اس کے ساتھ؟"طنز بہت واضح تھا۔ان کی

Copyright by New Era Magazine

بات پہ کامران صاحب کے غصے کا گراف مزید بڑھ گیا تھا۔انہوں نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ بڑی نفرت سے ان کی جانب اچھال دیا تھا۔

"تم۔۔۔ گھٹیا عورت۔۔۔ تم لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کا نام استعمال کرنے کی۔"

"کیا لگا تھا تمہیں۔۔۔۔ یہ مہنگا لباس اور قیمتی زیور پہن کر آؤ گی تو میں بھول جاؤں گا۔ کہ کہاں سے ہو تم۔"

"میں مر کر بھی اپنی بیٹی کا رشتہ ایسے شخص کے ساتھ نہیں کروں گا۔ جس کے باپ تک کا علم نہیں۔"غصے میں بھرے وہ بھول گئے تھے۔ کہ وہ ایک خاندانی شخص ہیں۔ جبکہ ان کے سامنے خاموشی سے مسکرا کر سنتیں وہ بڑے صبر سے اس خاندانی شخص کو دیکھ رہی تھی۔ نگارش کو جب لگا کہ مسکراہٹ ڈھلنے لگی ہے تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ساتھ ہی میز پہ دھرا پرس بھی اٹھا لیا۔

"رشتہ آپ نے نہیں۔۔۔اس کی ماں اور نانا نے کئی سال پہلے میرے بیٹے سے نکاح کر کے پکا کر دیا تھا۔ جس کا ثبوت اس لفافے میں موجود ہے۔"انہوں نے لفافے کی جانب اشارہ کیا تھا۔ سمبل نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔

Copyright by New Era Magazine

"میرا بیٹا اور آپ کی بیٹی رمیسا بچپن سے نکاح کے رشتے میں رہے۔ جس کا آپ کو علم نہیں تھا۔ لیکن اب ہے۔ اس لئے میں امید کرتی ہوں۔ کہ جب ہم اپنی بہو کو لینے آئیں گے۔ تو آپ لوگ بغیر کسی شور کے اسے ہمارے حوالے کر دیں گے۔"

"اور اگر اس بات پہ یقین نہیں۔ تو میرے وکیل کا ایڈریس اور فون نمبر اس لفافے میں موجود ہے۔ اپنے وکیل کے ساتھ جا کر آپ ساری تفصیلات لے لگتے ہیں۔"

"خدا حافظ" آخر میں کہتیں وہ باہر نکل گئی تھیں۔ اور ان کے جوتے کی اواز ان دونو کے کانو میں بجتی رہ گئی تھی۔ کامران صاحب بے بس و حیران سے اپنی جگہ کھڑے تھے جبکہ سمبل کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

دونو خاموشی سے کچھ دیر قبل کی باتیں ذہن میں رجسٹر کر رہے تھے۔ جب لاؤنج میں پڑے فون پہ گھں ٹی بجی تھی۔

شہر لاہور، مئی کا مہینہ، اور سر پہ چمکتا سورج۔۔۔۔

یہ منظر پنجاب یونیورسٹی کے گیٹ کا تھا۔ جہاں سے لوگ آ جا رہے تھے۔ ٹو وے روڈ پہ خاصا رش تھا۔ زندگی دیکھ کے لگتا جیسے بڑی تیزی سے گزر رہی ہو۔ شدید گرمی کے

Copyright by New Era Magazine

باوجود کہیں جمود نظر نہیں آتا تھا۔ کہیں خاموشی نہیں تھی۔ ہر طرف ٹریفک کا اژدھام منہ کھولے کھڑا تھا۔اور لوگوں کا ایک جہان تھا جو اپنی اپنی زندگی میں اُلجھا چل رہا تھا۔ لیکن ایسے میں ایک بس وہی تھی۔ جس کو دیکھ کر لگتا تھا۔ کہ زندگی بڑی پرُسکون اور مطمئن ہے۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ جبکہ لو سے اس کے گال سرخ انگارہ ہو رہے تھے۔ماتھے پہ بے تحاشا پسینہ تھا۔ جسے وہ بار بار اپنے کالے رنگ دوپٹے کے کنارے سے پونچ لیتی تھی۔اور دھوپ میں آنکھیں کھلتی نہیں تھیں۔ لیکن وہ پھر بھی آنکھوں پہ ہاتھ کا چھجا بنائے، چمکتی بھوری آنکھوں سے سڑک کے کبھی دائیں جانب دیکھتی اور کبھی بائیں۔اور کبھی یوں ہی بے قراری سے ہاتھ میں پکڑے فون کی سکرین جلا کر دیکھنے لگتی۔

وقت تھا کہ بس اس کے لئے رکا تھا۔

"آ بھی جاؤ تابش" بڑبڑا کر اس نے ایک بار پھر سے فون کی سکرین جلا کر دیکھا اور پھر ہونٹ کاٹتی مڑنے والی تھی۔جب وہ اسے دور سے آتا نظر آیا تھا۔رمیسا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئ۔

Copyright by New Era Magazine

جب تک کہ موٹر سائیکل اس کے قریب آکر رک نہ گئی تھی۔ مسکراتی وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔اور جب نوٹر سائیکل قریب آرکی تو مصنوعی ناراضی چہرے پہ جمائے اس کی جانب بڑھی۔

"اتنی دیر کیوں لگائی؟ جانتے ہو آدھا گھنٹہ ہو گیا مجھے تمہاراانتظار کرتے۔"نروٹھے پن سے کہتے اس نے اس کے قریب رکتے چہرے کا رخ موڑ لیا تو تابش نے ماتھے کا پسینہ صاف کرتے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ جس کا دھوپ میں کھڑے رہنے سے بُرا حال تھا۔ مسٹرڈ کھلے پجامے پہ ہم رنگ لمبی قمیض پہنے وہ آج گھر سے خاص طور پر تیار ہو کر آئی تھی۔ لیکن ایک گھنٹہ دھوپ میں کھڑے رہنے سے اس کا حال ابتر لگ رہا تھا۔

"پہلے بیٹھ جاؤ۔ پھر بتاتا ہوں کیوں لیٹ آیا۔"اسے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے اس نے کہا تو رمیسا نے ناراضی سے اسے دیکھتے بیٹھنا ہی مناسب سمجھا تھا۔وہ بیٹھی تو اس نے موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔اور ساتھ بتانے لگا۔

"میری موٹر سائیکل خراب ہو گئی تھی۔اس لئے لیٹ ہو گیا تھا۔ جانتی تو ہو اس کھٹارا کو۔"

Copyright by New Era Magazine

"پر تم بتاؤ تم دھوپ میں کیوں کھڑی تھی؟ چھاؤں میں چلی جاتی؟"اپنی مجبوری بتاتے اس نے پوچھا تو ر میسا نے مسکرا کر ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ لیا تھا۔بولی تو لہجے میں مسکراہٹ کی مٹھاس بڑی واضح تھی۔

"نہیں۔۔۔۔وہ۔۔۔۔تم نے صبح کہا تھا کہ میرا گیٹ پہ انتظار کرنا۔تم نے مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔اس لئے۔۔۔۔"اس کے پیچھے بیٹھتی بتاتی وہ اس کی بات کا مقصد سمجھتی شرمائی سی بولی تو تابش مسکرا دیا۔

"ہاں۔۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔لیکن میں نے باہر کھڑے ہونے کو کب کہا تھا؟"اب وہ جا نبوجھ کر اسے تپا رہا تھا۔جانتا تھا وہ کتنی اکھڑ مزاج تھی۔

اور وہی ہوا تھا۔اس کی بات پہ وہ فوراً چڑھ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔آئندہ میں انتظار نہیں کروں گی۔"ناراضی سے کہتے اس نے کندھے سے ہاتھ اُٹھا لیا تو تابش ہنس دیا۔

"میرا مطلب یہ ہے مادام کہ ایسا انتظار جو آپ کو تکلیف پہنچائے اس۔۔۔۔"

"بس کر دو۔۔۔تمہیں پتا بھی ہے۔کہ مجھے تمہارا انتظار کرا چھا لگتا ہے۔"

"اور اب بس میرا پیٹ اپنی باتوں سے مت بھرو۔جلدی کچھ کھلاؤ۔تمہاری وجہ سے میں نے کنٹین سے کچھ بھی نہیں کھایا۔"اس کی مذید باتوں کو نظر انداز کرتے اس

Copyright by New Era Magazine

نے جھنجھلا کر کہا تو تابش نے مسکرا کر موٹر سائیکل کی رفتار مزید بڑھادی تھی۔ رمیسا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے واپس ہاتھ تابش کے کندھے پہ رکھ لیا۔ اب کی بار پکڑ پہلے سے مضبوط تھی۔

"تابش تمہارے پاس پیسے ہیں نا؟"

"اور آج تم اتنے مہنگے ہوٹل میں کھانا کھلا کر کہیں مجھے پرپوز تو نہیں کرنے والے؟" تابش نے اس کے لئے کرسی کھینچی تو بیٹھتے اس نے پوچھا تھا۔ جبکہ اس کے انداز پہ تابش کا قہقہہ جاندار تھا۔

"تم میری منگیتر ہو مادام بھولو مت"

"تمہیں اچھے ہوٹل میں کھانا کھلانے کے لئے مجھے کسی وجہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مجھے آج تم سے "ایک" بات کرنی ہے۔" صاف گوئی سے کہا تو رمیسا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

"جانتی تھی کوئی ضروری بات ہی ہو گی۔ ورنہ میرے غریب منگیتر کے پاس تو بائیک میں پٹرول ڈھلوانے تک کے پیسے نہیں ہوتے۔" اس نے ہنستے کہا تو تابش نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Copyright by New Era Magazine

"کزن سے منگنی کرنے کا سب سے بڑا نقصان ہی یہی ہے۔ کہ کوئی پرائویسی نہیں ہوتی۔" اس کے لہجے میں ہلکی شرارت کا عنصر موجود تھا۔ رمیسا نے ہنستے اس کا گال کھینچا تھا۔

"تم مجھے غریب بھی اچھے لگتے ہو" پیار سے کہتے اس نے دوسرا گال بھی کھینچا چاہا تو تابش نے ناراض ہوتے اس کے ہاتھ پیچھے ہٹائے۔

"اب اگر مکھن لگ گیا ہو تو کھانا آڈر کریں؟" پوچھتے اس نے مینو کارڈ کھول لیا تھا۔ رمیسا نے بھی اپنے سامنے دھرا کارڈ مسکرا کر کھول لیا۔ لیکن کھانے کی قیمتیں دیکھ کر اس کی مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہوئی تھی۔ اس نے کن اکھیوں سے اپنے غریب منگیتر کو دیکھا تھا۔ جو بڑے غور سے مینو کارڈ دیکھ رہا تھا۔ رمیسا نے گہرا سانس لیا۔ کیا ہوا جو اس کا منگیتر غریب تھا۔ وہ تو امیر باپ کی بیٹی تھی۔ آج بھی وہ بل دے دے گی۔ اس نے سوچا تھا۔ اور جب ویٹر کھانے کا پوچھنے آیا تو دونوں نے اپنی پسند کے کھانے کا آڈر دیا تھا۔

کھانا آنے تک دونو خوش گپیوں میں مگن رہے تھے۔ وقفے وقفے سے دونو کے قہقہے ہوٹل کی پر سکون فضاء میں گونجتے رہے تھے۔ گو کہ ہوٹل میں اس وقت اتنا رش نہیں

Copyright by New Era Magazine

تھا۔ لیکن جو لوگ موجود تھے۔ وہ بڑی دلچسپی سے ان دونو کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہر ایک کی نظر دوسرے سے مختلف تھی۔

کھانے کے بعد دونو آئسکریم کھا رہے تھے۔ جب تابش نے منہ کھولا تھا۔

کل ابو نے چاچو کو کال کی تھی۔ آئسکریم کے پیالے میں چمچ رکھتے میز پہ ذرا سا جھکتے اب وہ بتا رہا تھا۔ رمیسا کی تمام حسیات جاگیں۔ اس نے بھی مسکرا کر چمچ آئسکریم کے پیالے میں رکھ دیا۔ جانتی تھی۔ اب جو بات ہو گی۔ وہ کھاتے نہیں ہو سکتی۔

"کس لئے؟" فوراً انجان بنی۔

اس کے سوال پہ تابش کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اسنے ہاتھ بڑھا کر اس کا میز پہ دھرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا۔

"تمھارے اور میرے نکاح کی بات کے لئے۔" اس کے بتانے پہ رمیسا کی پلکیں شرماہٹ سے جھک گئی تھیں۔ اس کے چمکتے گالوں پہ لالیاں جھلکنے لگیں۔ تابش نے مسکرا کر اسے غور سے دیکھا۔

وہ شرماتی تھی۔ تو اتنی خوبصورت لگتی تھی۔ کہ تابش کے لئے نظر ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس نے گلا کھنکھارا۔ "کچھ کہو گی نہیں؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

Copyright by New Era Magazine

"ابا نے کیا کہا؟" گو کہ جواب وہ جانتی تھی۔ لیکن پھر بھی جاننا چاہا۔ تابش نے مسکرا کر اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے چھوڑ دیا۔

"وہ اگلے ہفتے آرہے ہیں"

"اگلے جمعے تک نکاح ہو شائد۔"

"اور رخصتی میں سوچ رہا ہوں۔ اگلے ماہ کے آخر تک رکھوالوں۔" اس کے کہنے پہ رمیسا کا رنگ ایک دم سے گھبراہٹ میں بدلا۔

"ات۔۔۔اتنی جلدی؟"

"کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں اعتراض نہیں ہے۔ لیکن تم تو جانتے ہو اگلے ماہ میرے امتحان ہیں۔ میں۔۔۔"

"جانتا ہوں۔۔۔۔ لیکن میں تمہیں امتحان دینے سے تو نہیں روک رہا۔ تم آرام سے امتحان دینا۔ مجھے۔۔۔۔"

"لیکن تابش۔۔۔ میں شادی کے ماحول میں کیسے پڑھوں گی؟" "تم جانتے ہو نا یہ سمیسٹر کتنا اہم ہے۔" وہ منمنائی تو تابش نے گہرا سانس لیا۔

"تو تم مجھ سے امتحان کی وجہ سے شادی نہیں کرو گی؟" اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ رمیسا گھبرائی۔

Copyright by New Era Magazine

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں انکار نہیں کر رہی۔ تم جانتے ہو۔ تم مجھے کتنے اچھے لگتے ہو۔ میں بس۔۔۔ چاہتی ہوں۔ میں اپنی شادی کسی قسم کی بھی پریشانی کے بغیر انجوائے کروں۔"

"تو تم اب کیا چاہتی ہو؟" وہ کچھ خفا لگتا تھا۔

ہم نکاح اس جمعے کر لیتے ہیں۔ اور۔۔۔ شادی۔۔۔ میری ڈگری کے مکمل ہوتے ہی کر لیں گے۔ اس نے حل بتایا تھا۔ مگر تابش کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"اور تمہاری ڈگری مکمل ہونے میں ابھی ایک سال پڑا ہے۔ اور کوئی اُمید نہیں تم تب بھی مکمل کر پاؤ گی یا نہیں۔"

"اور کیا کرو گی ڈگری لے کے۔ جبکہ آخر میں تم نے گھر ہی بیٹھنا ہے۔" ناراضی سے بولتے اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کا لہجہ اور آواز دونو بدل گئی تھی۔ رمیسا کا خفت سے چہرہ سرخ پڑا۔

"لیکن۔۔۔ تم جانتے ہو نا یہ ڈگری پوری کرنا میرے لئے ضروری ہے۔ مما کو جانتے ہو نا کتنا شوق تھا مجھے پڑھانے کا۔" اس کی آواز اب کی بار کچھ دبی دبی سی تھی۔ اس کے کہنے پہ تابش طنز سے ہنس دیا تھا۔

"کونسی ماں؟"

Copyright by New Era Magazine

"وہی جو رات کی تاریکی میں تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"جس نے کبھی مڑ کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا؟" اس کے لہجے میں ہتک تھی۔رمیسا کا دل ایک دم سے جلنے لگا تھا۔اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔اس کے الفاظ پہ اسے دکھ پہنچا تھا۔لیکن وہ اسے منع نہیں کر سکی تھی۔کہ اس کی ماں یہی ڈیزرو کرتی تھی۔اس نے گہرا سانس لیا۔لیکن اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر تابش کو اپنے الفاظ کا احساس ہو گیا تھا۔اس نے ہونٹ بھینچ کر گہرا سانس لے کر کچھ کہنا چاہا مگر رمیسا مذید سنے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ ہمیں اگلے ماہ ہی شادی کرنی چاہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔یوں بھی میری ماں نے کونسا ڈگری لے کر کوئی اچھا کارنامہ انجام دیا تھا۔" دکھی لہجے میں کہتی وہ مڑ گئی تو تابش ہڑبڑا گیا تھا۔وہ بل دینے کے لئے اُٹھ کر تیزی سے کاؤنٹر کی جانب بڑھا۔

شام ڈھل چکی تھی۔رات پھیل رہی تھی۔ہلکی ہوا میں موسم صبح کی نسبت خاصا بہتر ہو چکا تھا۔لگتا تھا کچھ دیر میں موسم ابر آلود ہونے والا تھا۔شائد رات کے کسی پہر بارش بھی ہوتی۔سفید کھلے کرتے پجانے میں گلے میں رنگیں دوپٹا ڈالے بھورے بالوں کو

Copyright by New Era Magazine

بن میں باندھے اداس سی اندھیرے میں جھولے پہ بیٹھی آسمان کو دیکھتی اندھیرے کا ہی حصہ لگ رہی تھی۔

آسمان پہ تارے موجود تھے مگر دھندلے تھے۔یا شائد اس کے لئے ان کی روشنی کم تھی۔اس کے دل میں جانے کیوں لیکن ایک دم سے ہوک سی اٹھی تھی۔

"ناراض ہو؟"اس کے ساتھ جھولے پہ بیٹھتے اس نے پوچھا تو رمیسا چونک سی گئی۔فوراً گہرا سانس بھر کر سر نفی میں ہلایا۔

بولی تو لہجہ مرجھایا ہوا تھا۔

"تم جانتے ہو میں تم سے ناراض ں میں ہوتی۔"

"ہاں۔۔۔لیکن کبھی کبھی ناراض نہ ہو کر بھی خاموش ہو جانا اچھا نہیں ہوتا۔"

"میں جانتا ہوں۔مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔"اس کے گھٹنے پہ دھرے ہاتھ کو اٹھا کر ہاتھوں کے درمیان رکھتے اس نے کہا تو رمیسا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکلاتی ہنس دی تھی۔خالی سی کھوکھلی سی ہنسی۔۔۔

"معافی مانگ لینےسے تمہاری ان کے بارے میں رائے یا پھر نفرت تو نہیں بدلے گی۔یا تم ان کو احترام تو نہیں دینے لگو گے۔تم پھر بھی سب کے درمیان بیٹھ کر نفرت سے ان کے کردار پہ لانت ملامت کرتے رہو گے۔"

Copyright by New Era Magazine

"میں ایسااب نہیں کروں گارومی۔آئی ایم سوری"افسردگی سے کہتے اس نے واپس اس کاہاتھ پکڑ لیا تھا۔رمیسانے چہرہ گھما کرتابش کی آنکھوں میں دیکھا۔بولی تولہجہ انجان ساٹوٹے گلاس کی مانند بکھراساتھا۔

"پتہ ہے۔۔۔کبھی کبھی میں حیران ہوتی ہوں۔کہ ان کے جانے سے سب سے زیادہ اثرمیری زندگی پہ پڑا تھا۔ماں کے بغیر ساری زندگی میں نے گزاری مگر۔۔۔نفرت مجھ سے زیادہ تم سب لوگ کرتے ہو۔تم لوگ ہر بیٹھک میں ان کاذکر نفرت سے کرتے ہو۔"

"اباتوخیر ذکر ہی نہیں کرتے۔میں بھی چاہتی ہوں نہ کرو۔لیکن تم،تائی امی،تایاابااور سمبل آنٹی تم سب لوگ نہیں بھولتے"

"تم لوگ ہمارے زخموپہ بڑی بے دردی سے نمک پاشی کرتے ہو۔"اس کے الفاظ کی سچائی پہ تابش نے سرجھکالیا تھا۔

"میں آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔"ہاتھوں کونرمی سے دباتے اس نے یقین دلاناچاہا تھا۔رمیسانے چہرہ گھما کراس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اور باقی سب کا کیا؟"

Copyright by New Era Magazine

"ان کو بھی منع کر دوں گا پکا وعدہ"اس کی اٹھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے یقین دلایا تھا۔بلکہ عدہ کیا تھا۔رمیسا نے نظر واپس آسمان کی جانب موڑلی۔

"تم نے وعدہ تو کر لیا ہے۔لیکن اب یاد رکھنا کہ وعدہ خلافی کی سزا اللہ کے قانون میں بہت سخت ہے۔اللہ کو جھوٹے اور وعدہ خلافی کرنے والے لوگ پسند نہیں۔"اس نے بہت کچھ جتا دیا تھا۔بلکہ چند آخری جملوں میں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔تابش نے گہرا سانس لے کر سر اثبات میں ہلایا۔

"میرا یقین رکھو۔میں اب کبھی کچھ ایسا نہیں کہوں گا جس کو سُن کر تمہیں تکلیف پہنچے۔"اس کے لہجے میں بڑا مان تھا۔رمیسا نے سر جھکا دیا۔اس کی ہر بات ہر عہد اور ہر وعدے پہ وہ ایسے ہی یقین کر لیا کرتی۔خاموشی سے مذید ضد کئے۔کچھ بھی کہے۔۔۔

"آج موسم کتنا اچھا ہے نا"

"دل چاہتا ہے دل کھول کر آج مینہ برسے اور شہر لاہور کا پور پور اس بارش میں بھیگ کر مہک اُٹھے۔حبس زدہ کلاس روم سے نکل کر لمبے برامندے میں رک کر اس تازہ چلتی ہوا میں بازو کھولتے کہا تو ساتھ چلتی اس کی دوست تحریم ہنس دی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"محترمہ بارش سے شہر لاہور مہکتا نہیں بلکہ ڈوب جاتا ہے۔اور سڑک پہ جگہ جگہ ننھے ننھے تالابوں سے ایسی باس اُٹھتی ہے کہ مت پوچھو۔"

اور یہ موسم کا اثر نہیں جو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔بلکہ یہ وہ عشقِ نوخیز ہے جو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔اوپر سے چار دن بعد تمہارا نکاح ہے تو میں سمجھ سکتی ہوں۔کہ ذہن پہ اتنا اثر کیوں ہوا ہے۔تحریم نے جس طرح سے جملہ کشی کر کے اس کو جتایا تھا۔رمیسا منہ بسور کر سر جھٹکتی لمبے برامدے سے نکل کر گراؤنڈ کی جانب جا رہی تھی۔جب سامنے سے آتے پروفیسر جنید نے اسے روک لیا تھا۔پیچھے سے آتی تحریم بھی رک گئی۔

"اچھا ہے بیٹا آپ مجھے یہی مل گئیں۔آپ میرے ساتھ ذرا آفس آئیں۔"پرفیسر نے اسے روک کر کہا تو وہ ایک دم سے اکنامکس کے پروفیسر کی بات سن کر حیران ہوتی تحریم کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"سر سب خریت ہے؟"اس نے کچھ اُلجھ کر پوچھا تو پروفیسر سر ہلا کر جلدی سے مڑ گئے تھے۔

Copyright by New Era Magazine

"جی جی سب خیرت ہے۔آپ آئیں ذرا میرے آفس پھر بتاتا ہوں۔کہتے وہ تیزی سے آگے چل پڑے تھے۔رمیسا نے تھوک نگل کر تحریم کو دیکھا جو خود کبھی اسے اور کبھی جاتے پروفیسر کو دیکھ رہی تھی۔

"تم بھی چلو میرے ساتھ "اس نے اس جھٹ سے تحریم کا بازو کھینچ کر لے جانا چاہا جس پہ اس نے فوراً بازو چڑھا کر فاصلہ بڑھایا۔

"میں تو مر کر بھی دن میں تیسری بار پروفیسر جنید کی شکل نہیں دیکھ سکتی۔جاؤ اپنی سزا اکیلی کاٹو۔" کہتی وہ تیزی سے بھاگ گئی تو رمیسا پاؤں پٹخ کر اسے بھاگتی کو دیکھ کر گئی تھی۔

"پر میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں "مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہ دل ہی دل میں تحریم کو گالیاں دیتی پرفیسر کے پیچھے چل پڑی تھی۔ساتھ ہی دل ہی دل میں آل تو جلال کا ورد بھی کر رہی تھی۔کہ جانے آج کونسی مصیبت تھی جو پروفیسر اس پہ ڈالنے والے تھے۔جب سے وہ کلاس کی جی آر بنی تھی۔یہ مصیبتیں تقریباً اسے روز برکتوں کی طرح مل رہی تھیں۔جن کے ہر بار کے نزول پہ تحریم اسے ہائی فائو دیکھاتی بھاگ جاتی تھی۔اور ہر بار وہ میدان میں اکیلی کھڑی رہ جاتی۔

Copyright by New Era Magazine

پروفیسر کا آفس معمول کی طرح طلبہ سے بھرا پڑا تھا۔بہت سے طلبہ ہاتھ میں اسائنمنٹس پکڑے کھڑے تھے۔پرفیسر آئے تو سبھی باری باری آسائنمنٹس پکڑانے لگے۔

جبکہ وہ آفس میں ایک جانب کھڑی تھی۔کہ پروفیسر اسے بھی بتادیں کہ اس کا جرم اقبال کیا ہے۔

وہ گہری سوچ میں کھڑی تھی۔جبکہ اس کے سامنے پروفیسر کی میز کے مغربی سمت میں صوفے پہ بیٹھا وہ شخص بڑی خاموشی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی گہری بھوری آنکھوں میں نرمی اور دلچسپی کا عنصر بڑا واضح تھا۔جبکہ اس کے پیچھے کھڑا اس کا سیکٹری بھی اسی دلچسپی سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔جو سیاہ لمبی قمیض کے ساتھ کھلے پجامے میں، ہم رنگ دوپٹا ڈالے بالوں کا بن بنائے وہ اس کے باس کے مقابل کی نہیں لگتی۔نہ تو وہ بہت خوبصورت تھی اور نہ ہی اس کی شخصیت میں اور کوئی خوبی نظر آتی تھی۔لیکن پھر بھی اس کے باس جب سے پاکستان آئے تھے۔ مسلسل اس لڑکی سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔اور مسکراہٹ تھی۔کہ ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔

کمرہ طلبہ سے خالی ہوا تو پروفیسر رمیسا کی جانب متوجہ ہوئے۔

Copyright by New Era Magazine

"آپ بیٹھ جاؤ بیٹا۔" اُنہوں نے اسے اپنے سامنے کی کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تو رمیسا خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ جبکہ طلبہ کا رش کچھ کم ہوا تھا تو ساتھ ہی مغربی سمت صوفے پہ بیٹھا شخص اسے متوجہ کر گیا تھا۔ جس کی نظریں واضح وہ اپنے اوپر محسوس کر سکتی تھی۔ وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس نیلے رنگ کی چیک والی ٹائی لگائے۔ جیل سے بالوں کو سمیٹے کوئی بزنس مین لگ رہا تھا۔ جس کے کلون کی خشبو آفس میں جیسے رچ بس سی گئی تھی۔ رمیسا الجھی سی نظر جھکائے بیٹھی تھی۔

"رمیسا بیٹا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ سکندر صاحب کی نواسی ہیں؟" وہ جو کہ بائیں جانب بیٹھے شخص کی نظروں سے اُلجھن محسوس کر رہی تھی۔ پروفیسر جنید کے سوال پہ اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"سوری سر؟" وہ سمجھی نہیں تھی۔ انہیں کیسے پتا چلا۔۔۔؟ اس نے چونک کر اب کی بار بائیں جانب اس شخص کو دیکھا۔ دونو کی نظر پہلی بار ملی تھی۔

وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس کوٹ کا اگلا بٹن کھولے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بڑی فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رمیسا متوجہ ہوئی تو شاہ زیب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ گہری ہوئی۔

وہ فوراً پروفیسر کی جانب متوجہ ہوا۔

"بہت شکریہ جنید صاحب۔"

Copyright by New Era Magazine

"مجھے بس دس منٹ درکار ہیں اگر آپ اجازت دیں تو؟" پروفیسر جنید سے اس نے احتراماً پوچھا تو پروفیسر صاحب اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آپ کو جو بات کرنی ہے کیجیے۔ میری کلاس کا وقت ہو چکا ہے۔"

"اور رمیسا بیٹا آپ کی اسائنمنٹ مجھے ابھی تک نہیں ملی۔ کل لاسٹ ڈیٹ ہے مجھے کلاس روم میں آپ کی اسائنمنٹ مل جانی چاہیے۔" کہتے وہ شاہ زیب سے ہاتھ ملا کر چلے گئے تو پیچھے کھڑا اسیکٹری بھی سر جھکا کر اجازت لیتا باہر نکل گیا۔ رمیسا نے بے بسی سے جاتے پروفیسر کو دیکھا تھا۔

سر ایسے کیسے اسے کسی انجان کے ساتھ آفس میں چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ اسے بُرا لگا تھا۔

"میں تم سے ملنے کے لئے تمہارے گھر جا سکتا تھا۔ لیکن مجھے لگا کہ گھر جانے سے پہلے گھر سے باہر مل لینا زیادہ مناسب ہو گا۔" اس کی بھاری گھمبیر آواز خاموش کمرے میں گونجی تو اس کی بے تکلفی سے تم کہنے پہ رمیسا نے ہونٹ آپس میں بھینچتے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔

"میں نہیں جانتی آپ کون ہیں۔ اور آپ کا میرے نانا سے کیا تعلق ہے۔ لیکن میں پسند نہیں کرتی۔ کہ کوئی انجان شخص مجھے "تم کہہ کر مخاطب کرے۔" کٹھور لہجے میں

Copyright by New Era Magazine

اسنے سامنے بیٹھے شخص کو اس کی حدود سمجھادی تھیں۔شاہ زیب کے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہیں آئی۔وہ ویسے ہی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا میرا مقصد آپ سے بے تکلف ہونا نہیں تھا۔"

"اور آپ کے نانا سے میرا تعلق بڑا گہرا ہے۔وہ میرے محسن ہیں۔اُنہوں نے مجھے اس وقت سہارا دیا تھا۔جب مجھے میرے اپنوں نے اپنانے سے انکار کردیا تھا۔"اس کے تم کہنے پہ ناراضی دکھانے پہ شاہ زیب فوراً"آپ"پہ آگیا تھا۔وہ کیسے بھول سکتا تھا۔کہ وہی تھا جس نے اسے نہیں بھلایا تھا۔ورنہ اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں تھی۔کہ وہ اس کو یاد رکھتی۔یوں بھی تب اس کی عمر بھی تو صرف پانچ سال تھی۔رمیسا اب کی بار خاموش ہی رہی تھی۔شاہ زیب نے گہرا سانس لے کر اس کے چہرے سے نظر موڑ لی۔

"میرا نام شاہ زیب عالم ہے۔"لیکن کچھ وجوہات کی وجہ سے میں خود کو شاہ زیب سکندر کہنا پسند کرتا ہوں۔اس نے نام بتایا تو رمیسا نے پھر سے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"شاہ زیب سکندر؟"وہ بڑبڑائی تھی۔شاہ زیب کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

Copyright by New Era Magazine

شاہ زیب سکندر کا پورا وجود اس وقت اس کی آنکھیں تھا۔وقت اور زندگی دونو بدل گئے تھے۔اور اس کے ساتھ ہی رمیسا کے لئے اس کی محبت بھی ہر دن کے ساتھ بدلتی نیا رخ اختیار کرتی رہی تھی۔

رمیسا کے بے اختیاری میں نام لینے پہ اس کو اپنے دل کی دھڑکن مس ہوتی محسوس ہوئی تھی۔کیا وہ اس قابل تھا کہ وہ اس کا نام لیتی۔؟اس کی بھوری آنکھوں کی چمک بے اختیاری میں مذید بڑھ گئ تھی۔اس نے گلا کھنکھارا۔اور پھر جھک کر سامنے پڑی لکڑی کی میز سے ایک فائل اُٹھا کر اس کی جانب بڑھائی تھی۔رمیسا نے نشست چھوڑتے فائل تھام لی۔

"یہ کیا ہے؟"حیرانی سے نیلی فائل کو الٹ پلٹ کر دیکھتے اس نے پوچھا تو شاہ زیب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔جبکہ اب کی بار اس کے چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔اور وہ صوفے سے پشت چھوڑے بیٹھا تھا۔

رمیسا نے فائل کھولی تو سامنے ہی موجود کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ کر اس نے نا سمجھی سے واپس شاہ زیب کو دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔میں سمجھی نہیں؟"وہ مذید الجھ گئ تھی۔شاہ زیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

Copyright by New Era Magazine

"آپ کے نانا نے اپنی وفات سے قبل کمپنی کے دس فیصد شئیرز آپ کے نام سے رکھے تھے۔ جبکہ ان کے نام سے تین فیصد شئیرز کمپنی کے نام سے چلنے والے فلاحی اداروں کے ہیں۔ اور جو پندرہ فیصد آنٹی سدرہ کے نام سے ہیں۔ وہ ان کی وفات کے بعد آپ کو وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔"

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا وہ بولتا صوفے کے پیچھے موجود کتابوں کی شیلف کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ جبکہ اس کے انکشاف پہ رمیسا منہ کھولے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔

یہ سب کمپنی کی تفصیلات ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بابا اور آنٹی کے ابائی گھر کی بھی مالک ہیں۔ اور جو آپ کے والد کامران انکل نے سدرہ آنٹی کے نام گھر لگایا تھا آنٹی نے وہ بھی آپ کے نام منتقل کر دیا تھا۔ بتاتے ایک ایک کتاب کی سطح کو چھو کر دیکھ رہا تھا۔

"کونسا گھر؟" کیا ابا نے کوئی گھر بھی مما کو دیا تھا؟ وہ کیوں نہیں جانتی تھی؟

"وہی جس میں آپ رہتی ہیں۔" اس نے بتایا تو رمیسا نے الجھن سے ہاتھ میں پکڑی فائل کو دیکھا تھا۔ پھر جب بات سمجھ میں آئی تو اس نے ضبط کرتے ہاتھ میں پکڑی فائل پوری قوت سے فرش پہ دے ماری تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"نہیں چاہیے مجھے کسی کی بھی بھیک" وہ کوشش کے باوجود اپنی آواز دبا نہیں پائی تھی۔شاہ زیب لب مڑ کر اسے دیکھا۔رمیسا کی آنکھوں میں امڈتے آنسو دیکھ کر اس نے نظر اس کے چہرے سے ہٹا کر دفتر کی کھڑکی پہ جما دی تھی۔

"یہ بھیک نہیں ہے ریا۔" اپنے لہجے میں امڈتے دکھ کو وہ دبا گیا تھا۔رمیسا ہنس دی۔

"ہاں یہ بھیک نہیں ہے۔یہ وہ کفارہ ہے جو وہ مجھے چھوڑ کر جانے کا ادا کر کے گئے ہیں۔" اور یہ میرے لئے بھیک سے زیادہ قابل نفرت ہے۔سمجھے آپ؟" وہ تقریباً دھاڑی تھی۔اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔اور آنکھوں میں کچھ دیر کے جمع ہوتے آنسو اب ایک روانی سے اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے جبکہ وہ مسلسل سسکیاں روکتی ہوں ٹ بھینچ رہی تھی۔شاہ زیب نے آنکھیں بند کر کے لمبا سانس لیا۔جیسے خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا ہو۔اور تحمل سے جھک کر فائل اٹھاتے اس کی جانب بڑھائی جو اس لے جھپٹ کر کمرے میں ایک نکڑ کی جانب اچھال دی تھی۔

وہ اب کی بار مزید سختی سے دھاڑی تھی۔

'نہیں چاہیے مجھے اس بد کردار عورت کی بھیک۔" اس کے الفاظ تھے یا زہر لگے تیر جن کے لگنے سے شاہ زیب سکندر درد سے بلبلا کر رہ گیا تھا۔اس کا ہاتھ ایک دم سے فضاء میں بلند ہوا جسے اس نے مٹھی بھینچ کر روک لیا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"تم اگر رمیسا نہ ہوتی تو میں تمہارا لحاظ کبھی نہ کرتا۔ تم جانتی ہی کیا ہو ان نیک صفت اور باکردار عورت کے بارے میں جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک تمہیں یاد کرتے اور تمہارے لئے سجدے میں روتے گزار دیے۔ اور تم۔۔۔ تم ان کی محبت کا یہ صلہ دے رہی ہو؟"

"میں جان بھی کیسے سکتی ہوں؟" وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخی تو شاہ زیب نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں تھیں۔ وہ ضبط سے قدم قدم چلتا اس کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ دونوں میں محض چند ہاتھ کا فاصلہ باقی تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا۔

"وہ گئی نہیں تھیں۔ نہ ہی کبھی جانا چاہتی تھیں۔ مگر ان کو نکالا گیا تھا۔ سنا تم نے۔؟"

"آج جن تایا تائی کا تم دم بھرتی پھرتی ہو۔ ان دونوں نے مل کر تمہاری ماں کو مار پیٹ کر گھر سے نکالا تھا۔ اور تم کیا جانو کے دسمبر کی ٹھٹھرتی رات میں وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر کیسے سکندر ہاؤس آئی تھیں۔"

"تم یہ سب نہیں جان سکتی۔ اس لئے کہ تم تب کھیلنے میں مصروف تھی رمیسا کامران۔ تمہیں اپنی ماں کی لاؤنج میں گونجتی چیخیں سنائی نہیں دی تھیں۔"

Copyright by New Era Magazine

"لیکن مجھے یہ سب آج بھی حرف حرف یاد ہے۔اس لئے کہ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا تھا۔اور ان کو کہتے سن ا تھا۔" رمیسا کی حیرت سے پھٹی آنکھوں میں پھیلتی بے یقینی کو وہ بڑے قریب اور غور سے دیکھتے سچ پر ت در پر ت کھول رہا تھا۔اور اس کے الفاظ کی سختیوں سے بے بس سی وہ زمین پہ گری تھی۔وہ گری تو شاہ زیب نے ضبط کرتے چہرے کا رخ موڑ لیا۔اس کے بیضوی چہرے پہ آنکھوں سے نکل کر دو آنسو خاموشی سے اس کی داڑھی میں جزب ہو گئے تھے۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں"

تت۔۔۔تائی امی۔۔۔تایا ابب۔۔۔ابا ایسے نہیں کر سکتے۔ان ہوں نے مجھ۔۔۔۔مجھ سے خود کہا تھا۔کہ مما مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گیں۔وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے رو دی تھی۔اس کی سسکیاں سارے آفس میں بے دردی سے گونج رہی تھیں۔جبکہ شاہ زیب اس کی جانب پشت کئے کھڑا ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچے اپنے الفاظ کو اپنے ںہ میں روک رہا تھا۔بہت کچھ تھا جو وہ اسے مذید بتانا چاہتا تھا۔لیکن اس کا نازک وجود اب شائد مزید ںہ سہہ پائے۔

Copyright by New Era Magazine

اسے نہیں پتا وہ گھر کیسے پہنچی تھی۔اسے شاہ زیب نے ڈراپ کرنے کا کہا تھا مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔اپنے آپ کو گھسیٹ کر چلتی وہ جیسے تیسے گیٹ سے نکل کر روڈ پہ آئی تو خود ہی کوئی رکشا آ کر اس کے قریب رکا تھا۔جس میں بیٹھی تو رکشے والے نے رکشا آگے بڑھا دیا تھا۔لیکن اس کے گھر کے گیٹ تک شاہ زیب پریشانی سے اس کے پیچھے رہا تھا۔

اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔اس نے رمیسا کو بتا کر ٹھیک کیا تھا یا غلط۔۔۔اصل میں تو وہ اسے اپنے اس کے نکاح کی خبر دینے والا تھا۔لیکن شائد آج ایسا ممکن نہیں تھا۔

فاخرہ کچن میں کھڑی دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔تابش لاؤنج میں صوفے پہ لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔جب سے اسے ڈگری ملی تھی وہ نوکری ڈھونڈنے کی بجائے سارا دن گھر پڑا رہتا تھا۔وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔جب گیٹ پہ گھنٹی بجی تھی۔

کچن سے نکل کر سبزی کی ٹوکری لاتی فاخرہ میز پہ بیٹھی مٹر نکالنے لگی تھیں۔

"کون آ گیا اس وقت۔" گھنٹی دی گی تو وہ بڑبڑاتا پاؤں میں جوتا اڑستا پاؤں گھسیٹتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

رمیسا نے دوسری بار گھنٹی دی تو وہ چلاتا بولا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"آ رہا ہوں بھئی صبر کرو۔" بلند آواز میں اس نے کہا اور پھر گیٹ کھول دیا تھا۔ سامنے کھڑی رمیسا کو دیکھ کر اس کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

وہ صبح بہت خوش تھی۔ بہت تیار ہو کر یونیورسٹی گئی تھی۔ لیکن اب ایک دم سے کچھ ہی دیر بعد واپس آ گئی تھی۔ اور وہ بھی ایسے روتے دھوتے۔؟

گیٹ کھلا تو رمیسا نے نم آنکھوں سے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔ اور پھر اس کے قریب سے ہوتی اندر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

"رومی؟"

"کیا ہوا؟" اسے پیچھے سے آواز دیتا وہ بھی بھاگا تھا۔ لیکن وہ سن کہاں رہی تھی۔

اندر مصروف سی فاخرہ نے آواز سنی تو مڑی تھیں۔ اندر آتی رمیسا کو دیکھ کر وہ بھی حیران ہو گئی تھیں۔ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھیں۔

"کیا ہوا رمیسا؟" اندر آتے ہی وہ سڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے کی جانب بھاگی تو وہ پریشان سی پیچھے سے آواز دیتی رہ گئی تھیں۔ انہوں نے اندر آتے تابش کو دیکھا۔

"کیا ہوا اسے؟"

"پتہ نہیں" شانے اچکا کر اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو انہوں نے گہرا سانس لیتے اسے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

Copyright by New Era Magazine

"جاؤ جا کر دیکھو میں پانی لے کر آتی ہوں۔" اسے بھیجتے وہ خود کچن سے پانی لینے چلی گئ تھیں۔تابش نے ایک نظر مڑ کر چلتے شو کو دیکھا اور پھر پاؤں گھسیٹتا سڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

وہ کمرے میں آتے ہی جیسے ٹوٹ کر بکھر سی گئ تھی۔کمرہ بند کرتی وہ زمین پہ گھٹنو کے بل بیٹھتی چلی گئ تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بے تابی سے نکل کر اس کی گود میں گر رہے تھے۔اور اضطرابی حالت میں وہ بار بار سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔" کسی کو ساری زندگی برا سمجھنا آسان ہوتا ہے اس سے جس کو آپ نے ہمیشہ اچھا دیکھا ہو۔بت ٹوٹے تو روح زخمی ہو جاتی ہے۔یقین ٹوٹ جاتا ہے۔انسان یقین اور بے یقینی کی حالت میں لٹکتا رہ جاتا ہے۔جیسے وہ شاہ زیب کی باتوں پہ ایک پینڈولم کی طرح لٹک رہی تھی۔روتے ہوئے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔کہ اس کے ساتھ اس کے سگھے رشتے ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

"نہیں۔۔۔۔یااللہ میرے ساتھ یہ نہ کریں۔پلیز اللہ تعالیٰ" وہ روتی چھت کی جانب چہرہ اٹھاتی اللہ سے منت کر رہی تھی۔یہ یقین جو اس نے ساری زندگی لگا کر بنایا تھا۔یہ

Copyright by New Era Magazine

ٹوٹتا تو وہ کسی قابل نہ رہتی۔اس نے ہمیشہ اپنی ماں کو برا سمجھا تھا۔اب اگر اس کی ماں اچھی تھی تو برا کون تھا؟وہ روتی مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

تابش نے گہرا سانس لے کر دروازے پہ دستک دی تھی۔

"رومی....؟دروازہ کھولو مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔؟"اس نے دروازہ بجاتے آواز دی تو رمیسا نے بھیگی نظروں سے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔

"رمیسا۔۔۔میری جان مجھے بتاؤ تم رو کیوں رہی ہو۔؟مجھے بتاؤ کسی نے کچھ کہا ہے ؟۔"پھر سے دروازہ بجاتے اس نے کہا تو رمیسا نے چہرہ موڑتے گھٹنوں میں چھپالیا تھا۔وہ سسکیاں بھرتی رہی۔

"مما۔۔۔مما۔۔۔۔میری مما۔"دکھ سے آواز اس کے حلق سے جیسے نکلنے سے انکاری تھی۔

"رمیسا؟"تابش نے پھر سے آواز دی مگر اس بار بھی جواب نہیں ملا تو پانی لاتی فاخرہ نے گلاس اسے تھما دیا تھا۔

"تم گلاس پکڑو۔میں دیکھتی ہوں۔"کہتے انہوں نے گہرا سانس لے کر دروازے پہ دستک دی تھی۔

Copyright by New Era Magazine

"رمیسا۔۔۔بچے دروازہ کھولو۔تائی امی کو بتاؤ کیا ہوا ہے؟" وہ اب بار بار دروازے پہ دستک دے رہی تھیں۔ مگر رمیسا کہاں سن رہی تھی۔

راوی پہ رات اترتی گہری خاموشی ساتھ لائی تھی۔وہ راوی کے کنارے کھڑا جینز کی ایک جیب میں ہاتھ ڈالے دوسرے سے سگریٹ نوشی کر رہا تھا۔اور نظر اس کی آسمان پہ کچھ تلاش کرتی خالی لوٹ رہی تھی۔

رمیسا شاہ زیب۔۔۔میری جان میرے دل۔۔۔میں نہیں جانتا تھا۔میرے الفاظ تمہیں اس تباہی کا شکار کر دیں گے۔افسردگی سے سوچتے اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔جب اس کا جیب میں ڈالا فون تھرایا تھا۔

اس نے بے زاری سے جیب میں سے فون نکال کر سامنے کیا تھا۔سکرین پہ چڑومن کا نام دیکھ کر اس کے ہونٹ بھینچتے سگریٹ زمین پہ پھینکتے جوتے سے مسلا اور کال اٹینڈ کرتے پشت کار کے بونٹ سے ٹکاتے راوی کے پانی پہ اترتی رات کو دیکھنے لگا تھا۔

"تم نے اس سے بات کی؟" چھوٹتے ہی انہوں نے پوچھا تھا۔شاہ زیب نے سر نفی میں ہلایا۔

"ماں۔۔۔وہ بہت روئی۔"

Copyright by New Era Magazine

"میں نے اس کو رولا دیا۔"اس کی گھمبیر آواز میں دکھ اور ایک عجیب کشمکش تھی۔نگارش نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"اسے ایک دن یہ سب سننا ہی تھا۔"

"اور اگر اب نہیں تو کب؟"ان کی آواز میں دکھ تھا۔شاہ زیب اب کی بار خاموش ہی رہا۔نگارش اس کی خاموشی محسوس کرتی بولی تھیں۔

"وہ تمہیں پلیٹ میں رکھی کسی چیز کی طرح نہیں ملے گی شاہ زیب۔"

میں جانتی ہوں تم اس سے محبت کرتے ہو۔لیکن میرے بیٹے یاد رکھنا۔وہ بہت قیمتی ہے۔اور اتنی ہی نازک بھی۔اس کو کوئی تکلیف پہنچی تو نہ تو میں تمہیں معاف کروں گی۔نہ ہی سکندر صاحب اور سدرہ تمہیں کبھی معاف کریں گیں۔اس لئے اس سے ہمیشہ ایسے پیش آنا جیسے وہ زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔تاکہ تمہیں احساس رہے کہ اس کا ہونا تمہارے لئے کتنا ضروری ہے۔اس کی آنکھ کا ایک آنسو تمہاری ماں کی قبر میں پیدا ہونے والے کیڑوں کی طرح ہوگا۔ان کے الفاظ کی سختی نے شاہ زیب کی روح کھینچ لی تھی۔اس نے گہرا سانس لیا۔

ماں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔میں کوشش کروں گا کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔اس کے لہجے میں دکھ تھا شدید دکھ۔ صبح اس لے جیسے اس کی جانب ہاتھ اٹھایا

Copyright by New Era Magazine

تھا۔وہ منظر ایک دم سے اس کی نظروں کے سامنے گھوما تو شاہ زیب نے ہونٹ بھینچتے اپنا ہاتھ اندھیرے میں سامنے کیا تھا۔اسے ایک دم سے اپنی ہمت پہ خود سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

وہ کیسے اس کی جانب سختی سے دیکھ سکتا تھا۔؟وہ کیسے اس کو مار سکتا تھا۔؟اس کو اپنی حرکت پہ یقین نہیں آیا تھا۔

(باقی آئندہ انشاءاللہ!)

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نوٹ

شاہی مہر از عائشہ فردوس پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ(نیو ایرا میگزین)

Copyright by New Era Magazine

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

Copyright by New Era Magazine